ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

اسلام کی قوت ایک آزاد قوت ہے۔ وہ زمین پر اس لیے آزادانہ چلتی ہے کہ ظلم و غلامی اور استحصال کی بنیادوں کو پیس ڈالے، اس میدان میں وہ کسی جنس، رنگ، زبان، اور مذہب کی طرف نہیں دیکھتا، سب لوگ اس کے نزدیک برابر ہیں، کیوں کہ وہ انسان ہیں، قومیت کا نظریہ اپنے محدود معنی کے لحاظ سے جو یورپ سمجھتا ہے، اور ایک چھوت کی بیماری کی طرح اپنی تنگ، کمزور اور بے وزن حدود کے ساتھ ہماری طرف بھی منتقل ہو گیا ہے۔ اسلام اسے اس معنی میں نہیں جانتا کیونکہ یہ مفہوم اس کے وحدتِ بشریت کے کلی نظریہ کے خلاف ہے۔ (سید قطب شہید)

۱۹۱۳

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

شمارہ ۱۱	شعبان ۱۴۲۱ھ نومبر ۲۰۰۰ء	جلد نمبر ۱۶

معاون مدیر	مدیر مسئول
انیس احمد فلاحی مدنی	نور محمد فلاحی

❊ طلبہ کے لیے : ۴۰ روپے	❊ سالانہ زرِ تعاون : ۵۰ روپے
❊ اعزازی زرِ تعاون : ۱۰۰۰ روپے	❊ خصوصی زرِ تعاون : ۱۰۰ روپے
❊ قیمت فی شمارہ : ۶ روپے	❊ بیرونِ ملک : ۲۵ امریکی ڈالر

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے
لہٰذا جلد از جلد سالانہ زرِ تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیلِ زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو، جامعۃ الفلاح
بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱
✆ : 05466-25115

نقوش حیات نو

○ اداریہ

ذکر الٰہی کی اہمیت — انیس احمد فلاحی — ۳

○ شمع فروزاں

ریا اور طلب شہرت — ولی اللہ مجید قاسمی — ۵

○ بحث و نظر

عبدالسلام ندوی کی ادبی خدمات — ابو سفیان اصلاحی — ۱۰

○ مذاہب عالم

ہندو دھرم (۴) — انیس احمد فلاحی — ۱۴

○ اسرار شریعت

سود کی حرمت کے اسباب — ادارہ — ۲۱

○ وعظ و ارشاد

ایک لڑکے کی توبہ — محمد عبدالعزیز — ۲۲

○ فقہ و فتاویٰ

مشرکین کی عیادت کا حکم
دار الکفر میں سود کا حکم — ابو راقم فلاحی — ۲۶

○ شعر و نغمہ

نعت — شوکت اصلاحی — ۲۷
غزل — آزاد ظہیر مظہری — ۲۰

○ جامعہ کے لیل و نہار

بی یو اسم انیس کے لیے سات فلاحی طلب
تعزیتی نشست
جامعہ الاسلام میں تین فلاحیوں کی پوزیشن
ڈاکٹر صباح الدین علاؤالدین دہلی میں لیکچرار — ۲۸

○ خطوط اور مسائل

ابو اکرم عرفان، ابرار عظمی، نسیم احمد فلاحی — ۳۰

اداریہ

ذکر الٰہی کی فضیلت و اہمیت

انیس احمد فلاحی

ذکر الٰہی وہ عظیم عبادت ہے جو ذہن و روح کو بالیدگی عطا کرتی ہے۔ بے چین روحوں کو سکون سے ہمکنار کرتی ہے اور مضطرب قلوب کو اطمینان سے نوازتی ہے۔ نیز یہ غموں کے ازالہ کا ذریعہ، مکروہات کے زوال کا سبب اور مطلوب کے حصول کا آلہ ہے۔ ذکر تمام عبادتوں کا مقصود ہے۔ نماز، حج اور جہاد اور انفاق یہ سب ذکر الٰہی کے وسائل و ذرائع ہیں۔ ارشاد باری ہے "واقم الصلوۃ لذکری" میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔ حج کے سیاق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا الله کذکرکم آبائکم أو اشد ذکرا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۰۰) پھر جب حج کے ارکان ادا کر چکو تو جس طرح اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے تھے اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو۔

میدان کارزار میں ذکر کا حکم دیتے ہوئے ان آیات کا نزول ہوا ﴿یا أیها الذین آمنوا إذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا الله کثیرا لعلکم تفلحون﴾ (الانفال: ۴۵) اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ ذکر و تسبیح صرف اخروی فلاح و نجات کا ضامن نہیں بلکہ دنیاوی بلاؤں کو ٹالنے کا ذریعہ بھی ہے چنانچہ اسی ذکر نے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دلائی ﴿فلو لا أنه کان من المسبحین للبث فی بطنه الی یوم یبعثون﴾ اگر وہ اللہ کی تسبیح بیان کرنے والوں میں شامل نہ ہوتا تو تا قیامت مچھلی کے پیٹ میں پڑا رہتا۔ ذکر الٰہی کی فضیلت و اہمیت قرآن مجید اور احادیث میں جابجا مذکور ہے۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

عن معاذ بن جبلؓ: ما عمل ابن آدم من عمل انجی له من عذاب من ذکر الله. ابن آدم کا کوئی بھی عمل ذکر الٰہی کے مقابلہ میں عذاب الٰہی سے زیادہ بچانے والا نہیں ہے۔

عن ابی الدرداء رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ الا أخبرکم

بخیر اعمالکم وارفعها فی درجاتکم وازکاها عند ملیککم وخیر لکم من اعطاء الذهب والورق وخیر لکم من آن تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی فقال ذکر الله تعالی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کیا میں تمہیں ایک ایسے عمل کے بارے میں نہ بتاؤں جو اعمال صالحہ میں سب سے بہتر عمل ہے۔ اور درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہے۔ اور تمہارے رب کے نزدیک پاکیزہ اور تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور سونے چاندی کے اوراق کے اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہے کہ تم میدان کارزار میں دشمنوں کی گردنوں کو اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنوں کو اڑائیں۔ صحابہؓ نے کہا ضرور بتائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ذکر الٰہی۔

عن ابی ہریرۃؓ قال: من قال سبحان الله فی یوم مائة مرة حطت عنه خطایاه وان کان مثل زبد البحر. ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو بار سبحان اللہ وبحمدہ کہا اس کی تمام غلطیاں مٹادی جاتی ہیں خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

ذکر الٰہی کی یہ فضیلت واہمیت اس وجہ سے ہے کہ یہی اسلامی زندگی کی جان ہے۔ کیوں کہ یہ وہ عبادت ہے جو ہر وقت جاری رہتی ہے۔ اور یہی انسان کی زندگی کا مستقل رشتہ اللہ اور اس کی بندگی کے ساتھ جوڑتی ہے۔ اور انسان کے دل میں اللہ کی عظمت وہیبت اور اس کے مؤاخذہ کا وہ شدید احساس پیدا کرتی ہے جس کے بغیر روحانی ترقی، بھلائیوں پر ثابت قدمی، اور منکرات و فواحش سے اجتناب ممکن نہیں۔ اسی لیے قرآن مجید میں کثرت سے اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیوں کہ ذکر الٰہی سے غفلت ہی ساری خرابیوں کی اصل جڑ ہے۔ اگر انسان کو یہ یاد رہے کہ وہ آزاد نہیں ہے بلکہ ایک خدا کا بندہ ہے اور وہ خدا اس کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ اور اس کے سامنے جاکر ایک دن اسے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ تو وہ کبھی کسی گمراہی اور بدعملی میں مبتلا نہ ہو اور بشری کمزوری سے اس کا قدم اگر کسی وقت پھسل بھی جائے تو ہوش آتے ہی وہ فوراً سنبھل جائے۔ ☆☆

شمع فروزاں

ریاء اور طلب شہرت

ولی اللہ مجید قاسمی

مخلوق کی خوشنودی یا مذمت کے خوف سے طاعت وعبادت کرنا، اس خیال کے تحت نیکی کرنا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان عزت ووقعت اور ان کے دلوں میں جذبۂ احترام اور قدر ومنزلت ہوگی اور ایسا نہ کرنے پر کوئی حیثیت نہیں رہ جائے گی یا اچھے کام کے ذریعہ سے انسانوں کی طرف سے تعریف کی امید اور کچھ پانے کی خواہش ریا کہلاتی ہے۔ اس سے قریب تر ایک دوسرا لفظ "سمعة" ہے جس کی حقیقت یہ ہے انسان نیکی اور بھلائی کے ذریعہ شہرت اور نیک نامی کا خواہاں ہو۔ اور دنیاوی اعمال کے ذریعہ شہرت، جاہ ومنزلت اور مخلوق کی نگاہ میں عزت واحترام مقصود ہو تو حب جاہ کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ممنوع ہے، البتہ حرص وطلب کے بغیر حاصل ہو جائے تو وہ ایک نعمت ہے۔

ریاء عملی بھی ہے اور اعتقادی بھی یعنی بظاہر اسلام کا دکھاوا ہے لیکن باطن میں انکار اور تکذیب ہے جسے زبان شریعت میں نفاق کہا جاتا ہے، قرآن حکیم میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے: ﴿إن المنافقین یخادعون الله وهو خادعهم وإذا قاموا الی الصلوة قاموا کسالی یراؤون الناس ولا یذکرون الله الا قلیلاً﴾ النساء: ۱۴۲۔ یہ منافقین اللہ کے ساتھ چالبازی کرتے ہیں حالانکہ اللہ انھیں اس کی سزا دینے والے ہیں اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے اٹھتے ہیں، لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

اس طرح کے لوگ کافروں سے بھی بدتر ہیں اور اسی لیے ان کا ٹھکانا جہنم کا سب سے نچلا طبقہ ہے۔ ریا کی دوسری قسم ریاء عملی ہے یہ فرائض میں بھی ہوتا ہے اور نوافل کی کیفیات اور صفات میں بھی، جیسے لوگوں کی تعریف یا مذمت کے لیے فرائض ونوافل کو ادا کرنا اور جہاں لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو وہاں ترک کر دینا، یا مجمع میں خشوع وخضوع کا اظہار کرنا اور خلوت میں اس کا اہتمام نہ کرنا۔

ایسے ہی ریا کے ذرائع بھی مختلف ہیں، یہ بدن کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور ہیئت اور لباس کے ذریعہ بھی، اور گفتگو اور عمل سے بھی، جیسے کمزوری اور غنودگی کا اظہار کرنا تاکہ اسے روزہ دار اور شب بیدار سمجھا جائے، سر جھکائے رہنا تاکہ لوگ امت کا غم خوار اور آخرت کے لیے فکر مند سمجھیں، موٹے جھوٹے، پھٹے پرانے اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننا تاکہ دنیا سے بے رغبتی کا اظہار ہو، طویل تقریر، فصیحانہ کلمے بیان کرنا تاکہ اسے بڑا عالم سمجھا جائے، تقریر کرتے ہوئے رقت اور غم دکھانا، رونے کی کیفیت بنانا، معصیت سے نفرت کا اظہار کرنا حالانکہ دل ان آثار ان کیفیات سے خالی ہے مقصود صرف یہ ہے کہ لوگ اسے پارسا خیال کریں، اور متبع شریعت جانیں۔ قیام، رکوع و سجود، میں دیر تک رہنا تاکہ نماز اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا سمجھا جائے، حالانکہ یہ محض دکھاوا ہے، اس کی تنہائی ان کیفیات سے خالی ہے۔ اپنے مشائخ، اساتذہ اور بڑے چلنے والوں کا تذکرہ بھی ریاء کا ذریعہ ہے کہ یہ خیال ہو کہ لوگ سمجھیں کہ اس نے مشائخ عظام اور اساتذہ کبار سے استفادہ کیا ہے، اور لوگوں میں اس کی کافی مقبولیت ہے

> ریاء عملی کی جو بھی صورت ہو اور خواہ کوئی بھی مقصد ہو حرام اور ناجائز ہے۔ ایسے عمل کی جس میں ذرہ برابر بھی ریاء ہو کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے، ایسے شخص کی پوری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے۔

مقاصد ریاء بھی متعدد ہوتے ہیں کبھی تو پارسائی کا اظہار اس لیے ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ٹھگ سکے اور کبھی کسی جائز کام کا حصول مقصود ہوتا ہے مثلاً تقویٰ و طہارت کا اہتمام اس مقصد سے کیا جائے تاکہ دیندار سمجھ کر لوگ اس سے رشتہ وغیرہ کے لیے آمادہ ہو جائیں۔

ریاء عملی کی جو بھی صورت ہو اور خواہ کوئی بھی مقصد ہو حرام اور ناجائز ہے ایسے عمل کی جس میں ذرہ برابر بھی ریاء ہو کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے ایسے شخص کی پوری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے بلکہ دھوکہ دہی کے جرم میں، خود بھی ہوگا کہ یہ شخص مخلوق کو بھی دھوکہ دیتا ہے اور خالق کو بھی، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مخلص، دیندار اور اللہ کا فرمانبردار ہے حالانکہ ان کو دکھانے کے لیے عمل کرتا ہے اور اللہ کی عبادت کے ذریعہ مخلوق کی خوشنودی کا

طالب ہے اس لیے ایک طرح سے خالق کو دھوکہ دینے کا بھی مجرم ہے اور چونکہ عبادت و طاعت کا مقصد رضائے حق ہے اور اس نے اس ارادے کے ذریعہ اس میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا ہے اس لیے ایک درجہ میں یہ شرک بھی ہے۔ ایسا شخص قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کی نیکیوں کا تمام دفتر ریا کے پانی سے دھل چکا ہوگا اس کی مثال اس کسان کی سی ہوگی جس نے چٹان کے اوپر کچھ مٹی ڈال دی پھر بارش کا ایک ریلا آیا جو بیج اور مٹی دونوں کو بہا لے گیا اور اس کی ساری محنت اور پونجی اکارت ہو گئی۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الآخر مثلہ کمثل صفوان علیہ تراب فاصابہ وابل فترکہ صلداً لا یقدرون علی شئ مما کسبوا﴾ (البقرة: ۲۶۴) اس شخص کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اس کی مثال اس چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہو، پھر زور کی بارش ہو جائے جو اس کو بالکل صاف کر دے، ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی۔

ریاکار شخص اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہوتا ہے مخلوق کی نظر میں بھی رسوا اور خوار ہوتا ہے چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ سے منقول ہے: من سمع سمع اللہ بہ ومن یرائی یرائی اللہ بہ (بخاری و مسلم) جو شخص شہرت کا طلبگار ہو اللہ اسے رسوائی شہرت سے دوچار کر دیں گے اور جو شخص ریاکاری کرتا ہے اللہ اس کی حقیقت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیں گے۔

اور ایسے شخص کے لیے نہایت ہی سخت، لرزہ انگیز اور عبرتناک سزا ہے جیسا کہ امام مسلم نے ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: قیامت میں سب سے پہلے تین آدمیوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا، پہلا شخص اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جائے گا اور وہ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے جو اسے یاد آ جائیں گی، پھر سوال ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کے بدلے کیا عمل کیا وہ کہے گا کہ میں تیری راہ میں جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹا ہے، تو اس لیے جنگ کرتا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں تو دنیا میں تمہیں بہادر کہا جا چکا ہے، پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ

کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

دوسرا شخص عالم دین ہے جس نے علم کو حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور قرآن پڑھا اسے اللہ کے حضور لایا جائے گا، اللہ تعالی اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا جسے وہ پہچان لے گا پوچھا جائے گا اس کے مطابق تم نے کام کیا کیا وہ جواب دے گا میں نے علم کو حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا، اور آپ کی رضامندی کے حصول کے لیے قرآن پڑھتا رہا، اللہ تعالی فرمائیں گے تو جھوٹ بول رہا ہے تم نے اس لیے علم حاصل کیا تھا کہ تمہیں عالم کہا جائے، قرآن اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ تم کو قاری کہیں سو دنیا میں بہت کہا جا چکا، پھر حکم ہو جائے گا اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں گرا دیا جائے۔

تیسرا وہ شخص ہے جسے اللہ نے فراخی عطا کی تھی اور ہر طرح کے مال سے اسے نوازا تھا اسے لایا جائے گا اور اللہ تعالی اسے اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے جو اسے یاد آجائیں گی پھر کہا جائے گا کہ تم نے کیا عمل کیا، وہ کہے گا آپ جن راہوں میں خرچ کرنا پسند کرتے ہیں میں نے ان میں سے کسی راستہ کو نہیں چھوڑا اور ان میں اپنی دولت کو خرچ کرتا رہا، کہا جائے گا تو جھوٹ کہتا ہے، تم نے اس لیے خرچ کیا تھا تاکہ تمہیں سخی کہا جائے، دنیا میں یہ کہا جا چکا ہے پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ کے حوالے کر دیا جائے۔ (ریاض الصالحین: ۲۲۰) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ پہلے انھیں تینوں لوگوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ (الترغیب: ار ۳۰)

اتنی سخت اور عبرتناک سزا اس لیے ہے کہ یہ ایک منافقانہ خصلت اور ایک طرح سے شرک ہے اور اس قدر مخفی ہے کہ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے، اور اتنا دبے پاؤں آکر دل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے کہ زندگی ختم ہو جاتی ہے مگر آہٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ اس سے بیدار اور لرزاں و ترساں رہنے کی ضرورت ہے، چنانچہ ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں: خرج علینا رسول الله ﷺ و نحن نتذاکر المسیح الدجال فقال الا اخبرکم بما هو اخوف علیکم عندی من المسیح الدجال فقلنا بلی یا رسول الله ﷺ فقال الشرك الخفی أن یقوم الرجل فیصلی فیزین صلاته لما یری من نظر الرجل

(رواه ابن ماجة والبیهقی، الترغیب: ٦٨) اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم لوگ دجال کا تذکرہ کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتلاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے دجال کے فتنہ سے زیادہ خوفناک ہے، ہم نے کہا ضرور بتلایئے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ شرک خفی ہے کہ کوئی شخص نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور اس لیے اچھی طرح نماز پڑھنے لگے کہ کوئی دوسرا شخص اسے دیکھ رہا ہے۔ محدث ابن ماجہ اور بیہقی نے اس کی روایت کی ہے۔

ریا کو شرک خفی اس لئے کہا گیا ہے کہ ریاکار کے دل میں مخلوق کی عظمت جاگزیں ہے اس کے لئے ذہن کے ایک گوشے میں انسانوں کی طرف سے ضرر رسانی کا خدشہ اور نفع کی امید ہے ان سے کچھ ملنے کی توقع ہے گرچہ عام طور پر یہ خیالی اور وہمی ہی ہوتا ہے اور جب سجدہ سے اللہ کی عظمت اور کبریائی کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ نگاہ مخلوق کی عظمت پر لگی ہوئی ہے لهذا یہ شرک ہے، اور چوں کہ بظاہر اللہ کی تعظیم ہے اس لئے "شرک ظاہر" کی جگہ پوشیدہ شرک کہا گیا ہے۔ اور بہت ہی بدنصیبی اور محرومی کی بات ہے کہ انسان دنیاوی نفع اور احترام کی امید پر جو زیادہ تر وہم ہی ثابت ہوتا ہے آخرت کی حقیقی اور دائمی نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور تمام محنت و مشقت اور مجاہدے کے بدلے میں دنیا کے چند سکوں پر قناعت کرلے اور آخرت میں اس حال میں آئے کہ نیکیوں کے تمام انبار ضائع ہو چکے ہوں، اور رب العالمین کی طرف سے حکم ہو گا کہ جاؤ جن کو خوش کرنے کے لئے اور جن کے نفع و نقصان کی امید پر کیا تھا انھیں سے اپنا بدلہ لے لو: یقول الله عزوجل وجل اذا جزی الناس باعمالهم اذهبوا الی الذین کنتم تراؤن فی الدنیا هل تجدون عندهم جزاء رواه احمد باسناد جید (الترغیب ٦٩)

جب اللہ تبارک و تعالی لوگوں کو ان کے عمل کا بدلہ دینے لگے گا تو ریاکار سے کہیں گے کہ جن لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کیا کرتے تھے انھیں کے پاس جاؤ اور دیکھو ان سے کچھ ملتا ہے۔ ☆

مضمون نگار حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنی تحریر کاغذ کے ایک جانب صاف اور خوش خط تحریر فرمائیں۔

حسنِ نظر

عبدالسلام ندوی کی ادبی خدمات
از ڈاکٹر شباب الدین

ابوسفیان اصلاحی

علامہ شبلی نعمانی کے تلامذہ میں تین شخصیات ایسی نمایاں ہیں جنھیں علمی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی، علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی اپنے علمی اور تحقیقی کارناموں کے سبب ہمیشہ زندہ اور تابندہ رہیں گے تینوں تلامذہ نے علامہ شبلی کی علمی روایت کو باقی رکھا اور استاد گرامی کے لگائے ہوئے درخت کی آبیاری میں جی جان سے جٹے رہے۔ مولانا فراہی نے قرآنیات کو اپنا مطمح نظر بنایا، سید صاحب نے سیرۃ النبی اور دیگر کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور مولانا عبدالسلام ندوی نے شعر العجم کے خطوط پر شعر الہند نیز دوسرے علمی کاموں کی تکمیل میں اپنے شب و روز صرف کیے۔

مولانا عبدالسلام ندوی کی علمی خدمات پر اب تک خاطر خواہ کام نہیں ہوا، شاہ معین الدین ندوی اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی تحریروں سے مولانا کی شخصیت کا تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے ساتھ انصاف کیا جا سکتا ہے، پروفیسر کبیر احمد جائسی کے مقالہ "مولانا عبدالسلام ندوی کی یاد میں" سے مولانا کی تصویر کا صحیح اندازہ ہوتا ہے لیکن قارئین کو تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ مولانا کی ادبی خدمات کی ایک مکمل تصویر ڈاکٹر شباب الدین (صدر شعبہ اردو شبلی کالج اعظم گڑھ) نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ کافی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ شعر العجم اور اقبال کامل کا اصلاً مقالہ نگار نے اپنے پی ایچ ڈی مقالہ میں تحلیل و تجزیہ پیش کیا ہے اس مقالہ میں اگر ایک باب کا تصانیف و تراجم سے متعلق اضافہ کر دیا گیا ہوتا تو مقالہ کی اہمیت و افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا، مقالہ نگار کی فہرست کے مطابق مولانا عبدالسلام ندوی کی تصنیف کی تعداد ۲۸ ہے ان تصانیف کا دو دو صفحے میں تعارف کرا دیا جاتا تو علمی دنیا کے سامنے مولانا کی علمی و تحقیقی خدمات کا ایک جامع خاکہ آجاتا۔ جامعات کے اردو شعبوں میں ایسا اس لیے کیا جاتا ہے کہ ادب کے مفہوم کو بہت محدود کر دیا گیا ہے وہ صرف افسانوں اور ناولوں غزلوں

اور نظموں تک محدود رہتا ہے جب کہ تاریخ شاہد ہے کہ تراجم قرآن اور دیگر دینی لٹریچر نے اردو زبان اور ادب کو سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

یہ مقالہ درج ذیل ابواب نقشۂ حیات، شخصیت، شعر الہند، اقبال کامل اور مقالات عبدالسلام پر مشتمل ہے، نقش حیات اور شخصیت اس مقالہ کے دو ایسے ابواب ہیں جن میں مقالہ نگار کی تحقیقی کاوش ہے، مولانا کی زندگی سے متعلق یہ تفصیلات کمیں اور دستیاب نہیں ہیں اس باب کے پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ مولانا غیر معمولی لیاقت و ذہانت کے مالک تھے، استاد گرامی علامہ شبلی نعمانی کو اپنے شاگرد پر ناز تھا یہ ان کی لیاقت ہی کا کمال تھا کہ انھیں الندوہ اور الہلال جیسے مشہور زمانہ مجلات کی نائب ادارت کے فرائض انجام دینے کے مواقع ملے۔ مولانا نے اپنی زندگی کا پہلا مقالہ "تناسخ" کے عنوان سے تحریر کرنے کے بعد استاد گرامی کے حضور پیش کیا تو استاد گرامی نے اپنے شاگرد کی اعلیٰ صلاحیت کو دیکھتے ہوئے پانچ روپے بطور انعام دیے۔ یہ بات ۱۹۰۹ء کے آس پاس کی ہے جب کا پانچ روپیہ آج کا ہزار روپیہ کے برابر ہے۔ اس بات سے یہ بھی مترشح ہوا کہ مولانا کا خانوادہ علم و فن میں رچا بسا ہے۔ مولانا کے بھتیجے مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب ایک بڑے عالم ہیں عربی میں بڑی روانی سے لکھتے ہیں لیکن افسوس کہ ان کی ساری زندگی مدرسہ کی نذر ہو گئی۔

دوسرے باب میں مولانا کی علمی و تحقیقی پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ اس میں مولانا کی ۲۸ کتب مطبوعہ کا ذکر کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

انقلاب الامم، سیرت عمر بن عبدالعزیز، ابن یمین، اسوۂ صحابہ جلد اول، اسوۂ صحابہ جلد دوم، تاریخ الحرمین، اسوۂ صحابیات، فطرت نسوانی، فقرائے اسلام، تاریخ فقہ اسلامی، القضاء فی الاسلام، شعر الہند جلد اول، شعر الہند جلد دوم، تاریخ اخلاق اسلامی، ابن خلدون، اقبال کامل، امام رازی، حکمائے اسلام جلد اول، حکمائے اسلام جلد دوم، اور مقالات عبدالسلام۔ مذکورہ کتب سے مولانا کے علمی مقام کا اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ ان کے علاوہ مولانا نے معارف میں جو مقالات تحریر کیے وہ ۸ سے ۲۲ صفحات پر مشتمل ہیں۔ مطبوعہ کتب اور مقالات کے علاوہ مولانا کی سات نہایت معرکۃ الآرا کتب تاریخ التنقید، تاریخ اخلاق اسلامی جلد دوم،

اعجاز القرآن، دلائل القرآن، ہندوستان کی تمدنی تاریخ، ایک کار آمد مجموعہ حدیث کی ضرورت اور شعر العرب۔ ان کتب کے عناوین سے موضوعات کی اہمیت ظاہر و باہر ہے، لیکن افسوس کہ یہ کتابیں مسودات کی شکل میں دارالمصنفین کے اندر موجود ہیں۔ مقالہ نگار ڈاکٹر شہاب الدین نے بتایا کہ یہ مسودات دھیرے دھیرے کیڑوں کی نذر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کتابوں کی طباعت کے زیور سے آراستہ نہ ہونے کا دو سبب مقالہ نگار نے بتایا ایک تو یہ کہ مولانا کے افکار و خیالات دارالمصنفین کی پالیسیوں سے ٹکراتے تھے اور دوسرے یہ کہ وہاں کے مسئولین کو ڈر یہ تھا کہ کہیں علمی دنیا میں مولانا عبدالسلام ندوی علامہ سید سلیمان ندوی کے دوش بدوش نہ نظر آنے لگیں۔

دارالمصنفین کی انتظامیہ میں بڑے جید لوگ تھے اور ہیں لیکن افسوس کہ ابھی تک اتنے بڑے غیر مطبوعہ ذخیرہ پر نظر نہیں گئی۔ کاش کہ موجودہ ارکان انتظامیہ اور مسئولین ادارہ اس جانب خوف الٰہی کے پیش نظر توجہ دیتے۔ یہ التماس میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے پیش نظر بھی لیکر حاضر ہوں کہ کاش وہ اس سلسلہ میں کوئی حکم صادر کرتے اور اتنا وقیع علمی دفتر ضائع ہونے سے بچ جاتا۔

مقالہ نگار نے شعر الہند اور اقبال کامل کا بڑا اچھا تجزیہ پیش کیا ہے۔ کہیں اسے قلمانداز کر کے آگے بڑھتا ہوں کیوں کہ ان کتابوں پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور خود میں نے پہلے دو بابوں کو کتاب کی جان قرار دیا ہے۔ مقالہ نگار نے ایک قابل تعریف کام یہ کیا ہے کہ الندوہ اور معارف میں شائع شدہ مضامین کی ایک فہرست پیش کی ہے۔ اس فہرست کی تفصیل میں شمارہ نمبر، جلد نمبر اور مضامین کے صفحات دے دیے جاتے تو یہ فہرست جدید کتابیات کے مطابق ہوتی۔ مولانا نے امرتسر کے مجلہ "وکیل" اور بھوپال کے مجلہ "ظل سلطانی" میں بھی بے شمار مقالات تحریر کیے لیکن افسوس کہ اس کے چند مقالات بھی اس فہرست میں شامل نہیں ہو سکے امید ہے کہ کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں اس کا ضرور خیال کیا جائے گا ظل سلطانی کے شمارے بھوپال اور ندوۃ العلماء میں ضرور دستیاب ہو سکتے ہیں۔

علامہ شبلی اور مولانا عبدالسلام ندوی کی بعض تحریروں سے اندازہ ہو کہ مولانا نے

الہلال میں بیشمار مقالات تحریر کیے لیکن الہلال کی پالیسی کے سبب مقالات پر مقالہ نگار کے نام نہیں ہوا کرتے تھے۔ اگر مولانا کا اسلوب تحریر پیش نظر رکھا جائے اور آپ کا انداز استدلال سامنے ہو تو شاید آپ کی تحریر کی شناخت میں آسانی ہو۔ الہلال میں آپ نے اپریل ۱۹۱۴ء سے دسمبر ۱۹۱۴ء تک کام کیا اس کے بعد اپنے استاد گرامی کی وفات کے سبب دارالمصنفین آ گئے اور آخری سانس تک استاد گرامی کے لگائے ہوئے باغ سے چمٹے رہے، آج دارالمصنفین کے احاطہ میں اپنے استاد گرامی کے پہلو میں آسودہ خاک ہیں۔ الہلال ایک ہفت روزہ رسالہ تھا مولانا نو ماہ اس سے منسلک رہے اور یہ یقینی ہے کہ ہر شمارے میں کچھ نہ کچھ آپ کا ضرور رہا ہوگا اور کیوں نہ رہتا اس کے لیے انھیں سو روپے ماہوار دیے جاتے تھے اس طرح دیکھا جائے تو نو ماہ کے چھتیس شماروں میں کم از کم مولانا کے چھتیس مقالات ضرور ہوں گے۔ آئندہ ایڈیشن کے لیے مقالہ نگار کو اس پہلو سے الہلال کو دیکھنا ہوگا۔

جناب ڈاکٹر شہاب الدین کی یہ کاوش ضرور علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی، اور اس سلسلہ میں پروفیسر کبیر احمد جائسی نے جو ان کی علمی اور تحقیقی رہنمائی کی ہے وہ یقینا قابل صد ستائش ہے اور اہل علم کا ان کا مشکور ہونا چاہیے، شہاب الدین صاحب نے کتاب کو صاف ستھرے انداز میں ترتیب دیا ہے۔ لکھنے میں قابل ذکر سلاست ہے ایک بات پر وہ صدہا مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کتاب میں سچائی سے کام لیا ہے، ہو سکتا ہے ان کے پہلے دو باب سے بہت سے لوگوں کی انھیں ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے، لیکن محقق کا فریضہ یہ ہے کہ کسی کی دل آزاری کیے بغیر بے کم و کاست صداقت کو پیش کر دیا جائے، یہ کتاب ۳۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اسے ایجوکیشنل بک ہاؤس مسلم یونیورسٹی مارکیٹ علی گڑھ اور امتیاز بک سنٹر کمہیہ اعظم گڑھ یوپی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ☆

مذاہب عالم

آواگون

انیس احمد فلاحی

آواگون ہندی لفظ ہے اسے پنر جنم بھی کہتے ہیں۔ اس کے لغوی معنی ہیں بار بار جنم لینا اور مرنا۔

اصطلاحی تعریف

اعمال کے لحاظ سے روح کا ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم میں واپس آنا تناسخ کہلاتا ہے چنانچہ انسان کی روح اس کے جسم سے نکل کر حیوانات اور کیڑے مکوڑوں کے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ پرانوں کے مطابق جب انسان اپنی زندگی کے مقصد "بندگی رب" کو بجالانے میں ناکام رہتا ہے تو اس کی روح ۸۴ ہزار جانوروں، چڑیوں، کیڑوں مکوڑوں کے قالب میں آنے کے بعد پھر انسان کے قالب میں ظاہر ہوتی ہے۔

تشریح

اس عقیدہ کے مطابق انسان چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا ایک یا جو بھی عمل کرتا ہے۔ اس کا ایک اثر مرتب ہوتا ہے اس طرح تمام عمر انسان سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں ان کے اثرات مرتب ہو کر محفوظ ہوتے رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان فنا نہیں ہوتا نہ کسی اور دنیا میں ہمیشہ بخشش کے لیے چلا جاتا ہے بلکہ دوبارہ اسی دنیا میں کسی اور شکل میں پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی اس دوسری زندگی کی نوعیت اور کیفیت اس کی پچھلی زندگی کے اعمال کے اثرات سے متعین ہوتی ہے پھر اس دوسری زندگی کے اعمال اپنے اثرات مرتب کرتے ہیں اور دوبارہ مرنے کے بعد پھر انسان ان اثرات کے لحاظ سے اچھی یا بری صورت حال، برہمن یا اچھوت، انسان یا جانور یا کسی اور شکل میں پیدا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ کبھی نہ ختم ہوتے ہوئے ازل سے ابد تک جاری و ساری رہے گا نہ اس سلسلہ کی کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا اور نہ ہی اس سلسلہ سے متعلق رہتے ہوئے انسان کے لیے کبھی چین و قرار ممکن ہے۔

ہندو دھرم میں عقیدہ آواگون کا مقام

جس طرح کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسلام کی علامت ہے، تثلیث عیسائیت کی علامت اور سبت کی تقریب یہودیت کی علامت ہے اسی طرح تناسخ کا عقیدہ ہندو مذہب کی پہچان ہے اور جو شخص تناسخ پر ایمان نہیں رکھتا وہ ہندو نہیں اور اسے ہندوؤں میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

آواگون کے اسباب

پنر جنم کے دو سبب بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ روح کے جسم سے نکلنے کے بعد بھی اس کی ہزاروں تمنائیں و خواہشات باقی رہ جاتی ہیں جو پوری نہیں ہو پاتیں اس لیے یہ خواہشات روح کو پھر اسی دنیا میں کسی قالب میں ظہور پر مجبور کرتی ہیں

۲۔ جسم سے نکلنے کے بعد چونکہ دوسرے لوگوں سے دنیاوی زندگی میں تعلق کے دوران بہت سارے مطالبات اور معاملات باقی رہ جاتے ہیں جن کی ادائگی کے لیے اپنے اعمال کے ثمرات کو پانے کیلیے روح نئے روپ یا قالب میں ظہور پذیر ہوتی ہے اور اگر یہ آواگون ثواب کی بنا پر ہے تو وہ نیکی کی طرف متوجہ رہے گی اور اسے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی تمنائی ہوگی اور اگر عذاب کی بنا پر ہے تو وہ برائی اور مکروہات کی طرف متوجہ رہے گی اور ان سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے گی۔

عقیدہ تناسخ کے دلائل

۱۔ کائنات کی فطرت عقیدہ تناسخ کو ثابت کرتی ہے چنانچہ سورج چاند اور ستارے سب کے سب طلوع ہوتے ہیں اور پھر غروب، ظاہر ہوتے ہیں اور پھر چھپ جاتے ہیں اور ستارے بھی کبھی اس برج میں داخل ہوتے ہیں اور کبھی اس برج میں۔ ٹھیک اسی طرح روحیں بھی ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

جواب: کائنات کی فطرت اور طبیعت پر ارواح کا قیاس قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ سورج کسی دن چاند اور چاند کسی دن سورج اور ستارے کسی دن سمندر کے روپ میں ظاہر نہیں ہوتے بلکہ یہ سب ایک محکم نظام کے تحت اپنے اپنے مدار پر گردش کر رہے ہیں جبکہ ہندو دھرم

کے بموجب روحیں انسان، حیوانات، اور حشرات الارض کے ہزاروں روپ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں اگر وہ صرف انسان کے روپ میں بھی بار بار ظاہر ہوتیں تو قیاس درست نہ ہوتا کیوں کہ سورج چاند تو اپنی جگہ پر برقرار رہتے ہیں ان کا ظہور وخفاء صرف زمین کی گردش کا نتیجہ ہے۔

۲۔ پنر جنم کو نہ مانا جائے تو خالق کائنات کو غیر منصف اور غیر عادل ماننا پڑے گا، کیوں کہ کسی کو اندھا، کسی کو لولا یا لنگڑا اور کسی کو صحیح سالم پیدا فرمانا بے انصافی ہے انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ سب کو صحیح سالم اور ایک ہی صفت پر پیدا کیا جائے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ لولا لنگڑا یا اندھا اور ناقص الخلقت پیدا ہونا پچھلے اعمال کا نتیجہ ہے۔

جواب: اگر پیدائش میں اختلاف کا سبب تناسخ ہے تو پھر جوانی میں صحیح سالم انسان کس جنم کے اعمال کے نتیجہ میں اندھا یا ہاتھ پاؤں کا معذور ہو جاتا ہے۔ اور رہا بچوں کا مختلف احوال وصفات پر پیدا ہونا تو اس کا سبب نطفہ کی خرابی ہے اور یہ بات تمام ہی عقلمندوں کے درمیان مسلم ہے کہ بعض خوبیاں یا خرابیاں خاندانی ہوتی ہیں نیز والدین کے بے راہرو ہونے کی بناء پر بھی بچے ناقص الخلقت پیدا ہوتے ہیں۔

۳۔ عقیدہ تناسخ کے قائلین تیسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ روحیں ازلی اور قدیم ہیں اور تناسخ کو نہ ماننے کی صورت میں ان کا بے کار ہونا (معطل) لازم آئے گا جو ان کی قدامت اور ازلیت کے منافی ہے۔

جواب: یہ دلیل ان کے اس فاسد اعتقاد پر مبنی ہے کہ روح اور مادہ ازلی ہیں اور خالق کائنات تخلیق کے وقت ان کا محتاج تھا جبکہ خدا خود ان کے عقیدہ کے بموجب کسی چیز کا محتاج نہیں ہے چنانچہ وہ اسے "سرو شکتی مان" مانتے ہیں یعنی خدا قادر مطلق ہے۔ اس دلیل کی تردید قرآن نے یوں کی ہے "قل الروح من أمر ربی" کہہ دیجئے روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

۴۔ ان کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ جو لوگ جنت وجہنم کے قائل ہیں وہ بہت ہی محدود عمل کے سبب انسانوں کو ابدی جنت یا ابدی جہنم کا مستحق مانتے ہیں اور یہ چیز عدل وانصاف کے خلاف ہے لہذا خالق کائنات سے اس ظلم کی نفی کے لیے آواگون کو ماننا لازمی ہے۔

جواب: عذاب وثواب کو زمان ومکان کے حدود سے نہیں ناپا جا سکتا بلکہ جو چیز اس کی قدر وقیمت کو متعین کرتی ہے وہ اس عمل کی تاثیر اور معاشرہ پر پڑنے والے اس کے اثرات ہیں۔ چنانچہ خود اسی دنیا میں بعض افراد بلا کسی انعام وتشجیع کے بڑی بڑی خدمات انجام دے جاتے ہیں جبکہ بعض معمولی عمل جس کے اثرات پوری نسل انسانی پر پڑتے ہیں اس کے عامل کو اجر عظیم سے نوازا جاتا ہے۔ اور پھر عقیدہ تناسخ کے قائلین بھی تو یہ کہتے ہیں کہ جنم مرن کے چکر سے نجات یافتہ ارواح روح اعلیٰ سے جا ملتی ہیں اور ابد الآباد کے لیے لذتوں اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور پھر اس دنیا میں دوبارہ واپس نہیں لوٹتیں تو کیا یہ دائمی ثواب محدود ریاضت اور محدود عمل کے عوض میں نہیں ہے۔

عقیدہ آواگون کا معروضی مطالعہ

یہ عقیدہ شروع ہی سے ہندو فلاسفہ اور محققین کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے "پرلوک اور پنر جنم" میں مذکور درج ذیل قصے سے اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے:

واج سروش ایسی گائیں جو دودھ دینے کے قابل نہ ہوتیں انھیں ثواب کی نیت سے صدقہ کر دیا کرتا تھا اس پر ان کے فرزند "ناچی کیتا" نے اعتراض کیا چنانچہ ان کے والد نے ناراض ہو کر انھیں عالم اموات میں بھیج دیا۔ ملک الموت نے اس کا استقبال کیا اور کہا کہ جو چاہو پوچھو۔ تو لڑکے نے کہا: موت کے بعد ہونے والے حشر وانجام کے تعلق سے دنیا میں لوگ مختلف الرائے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موت کے بعد بھی روحیں باقی رہتی ہیں جبکہ بعض دیگر لوگ اس کے منکر ہیں تو اصل حقیقت کیا ہے؟ ملک الموت نے کہا یہ مسئلہ تو بڑا ہی پیچیدہ اور مشکل ہے حتی کہ فرشتے اور دیوتا بھی اس معاملہ میں متحیر ہیں لہذا کوئی دوسرا سوال کرو لیکن لڑکے کے اصرار پر انھوں نے جواب دیا۔ یہ قصہ صراحۃً اس پر دلالت کر رہا ہے کہ آواگون کا عقیدہ شروع میں ہندو فلاسفہ کے درمیان متفق علیہ نہ تھا ورنہ ملک الموت ابتدا میں اس کا جواب دینے سے گریز کی راہ اختیار نہ کرتے۔ عصر حاضر کے بعض ہندو مفکرین بھی اس عقیدہ کو نہیں مانتے جن میں راہول سنکر تیان، فرید وچوہان، ستیا پرکاش اور دور کا شنکر قابل ذکر ہیں۔ پنر جنم کے برعکس ان لوگوں نے ویدوں سے مسئلہ آخرت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس طرح

کے چند اشلوک ملاحظہ ہوں: سورج کی شعاعوں کے حصول کی کوشش کرو تاکہ آگ کی قدر پہچان سکو یقیناً ہمارے رسول بھرت، بجو، اور مات رشو ودتوں زندگی پر یقین رکھتے تھے۔ (رگ وید ۱/ ۱۱/ ۶۰/ ۱۰)

جب میں انھیں لذیذ کھانا کھانے کی اجازت دوں تو اے اگنی تو ان لوگوں میں شامل ہو جا جو ابدی اور لازوال زندگی کے حصول کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ (رگ وید: ۱/ ۹/ ۴۳/ ۵)

آواگون عقل کے میزان پر

سائنس نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ انسان کی پیدائش سے کروڑوں سال قبل دنیا میں صرف جمادات، نباتات اور حیوانات بستے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حیوانات نباتات وغیرہ انسانی اعمال کا نتیجہ نہیں۔ انسانی عقل بھی یہی فتویٰ دیتی ہے کہ انسان کی پیدائش سے قبل وہ تمام چیزیں موجود ہوں جو اس کی زندگی کے لیے از حد ضروری ہیں اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تمام چیزیں انسان کی پیدائش سے قبل تھیں نیز یہ عقیدہ درج ذیل اسباب کی بنا پر درست نہیں ہے:

۱۔ تمام مذاہب عالم کا یہ متفقہ فیصلہ اور عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک ہیں جبکہ عقیدہ تناسخ خدا کی صفات خالقیت اور غفوریت کے خلاف ہے اور اس عقیدہ کی رو سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا کوئی روح پیدا نہیں کر سکتا اس طرح یہ عقیدہ خدا کی صفات کے منافی ہے۔

۲۔ ہماری اس دنیا کی تمام نعمتیں گھوڑا، گائے، بیل، گھی، دودھ، پھل نظریہ تناسخ کی رو سے پہلے جنم کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یہ تمام نعمتیں نہ صرف باعث برکت ہیں بلکہ انسانی زندگی کا انحصار ان پر دارومدار ہے جب یہ تمام نعمتیں گناہوں کا ثمرہ ٹھہریں گی لامحالہ گناہوں کو ہی زندگی کا دارومدار ٹھہرانا پڑے گا۔

۳۔ اس عقیدہ کی رو سے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ تمام مُلہم و موجدین جن کو دکھ دیے گئے وہ سب اپنے پچھلے جنم میں بدکار اور فاسق تھے۔ کیوں کہ اس عقیدہ کی رو سے یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انھیں اپنے پچھلے جنم کی بداعمالیوں کی وجہ سے دکھ دیے گئے۔

۴۔ اس عقیدہ سے تمام دنیا کا قانونی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے مثلاً ایک شخص قتل ہو گیا اس

عقیدہ کی رو سے یہ اس کے پچھلے جنم کے عمل کا نتیجہ ہے تو پھر قاتل کو پھانسی کیوں دی جائے اس نے تو خدا کی منشا کے مطابق کام کیا۔ اس طرح ایک غریب مسکین بے بس سے ہمدردی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ تو اپنے کسی پچھلے جنم کے کسی برے عمل کی سزا بھگت رہا ہے اس کی مدد کرنا خدا کی منشا کے خلاف ہوگا اور ہمدردی کرنے والا جرم کا ارتکاب کرے گا۔

۵۔ انسان کو اس کے اعمال کی پوری جزاء تناسخ کی صورت میں نہیں مل سکتی کیوں کہ ایک انسان آج اپنی پچاس ساٹھ سال کی زندگی میں جو اچھے یا برے کام کرتا ہے ان کی ذمہ داری میں نہ معلوم اور کتنی نسلیں شریک ہیں جو گذر چکی ہیں اور آج یہ ممکن نہیں کہ انھیں جزاء یا سزا مل سکے پھر اس شخص کے اچھے یا برے اعمال جو وہ آج کر رہا ہے اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جائیں گے بلکہ ان کے اثرات کا سلسلہ آئندہ صدیوں تک چلتا رہے گا جبکہ یہ اثرات چل رہے ہیں اور پھیل رہے ہیں کس طرح یہ ممکن ہے کہ آج ہی اس دنیا کی زندگی میں اس شخص کو اس کے کسب کی پوری جزا مل جائے درانحالیکہ ابھی اس کے کسب کے اثرات کا لاکھواں حصہ بھی رونما نہیں ہوا ہے پھر اس دنیا کی محدود زندگی میں اور اس کے محدود امکانات سرے سے اتنی گنجائش ہی نہیں رکھتے کہ یہاں کسی کو اس کے کسب کا پورا بدلہ مل سکے۔ آپ کسی ایسے شخص کے جرم کا تصور کیجیے جو مثلاً دنیا میں ایک جنگ عظیم کی آگ بھڑکاتا ہے اور اس کی اس حرکت کے بے شمار برے نتائج ہزاروں برس تک اربوں انسانوں تک پھیلتے ہیں کیا کوئی بڑی سے بڑی جسمانی اخلاقی روحانی یا مادی سزا بھی جو اس دنیا میں دی جاتی ممکن ہے۔ اس کے اس جرم کی پوری منصفانہ سزا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کیا دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا انعام بھی جس کا آپ تصور کر سکتے ہیں کسی ایسے شخص کے لیے کافی ہو سکتا ہے جو مدۃ العمر نوع انسانی کی بھلائی کے لیے کام کرتا رہا ہو اور ہزاروں سال تک بے شمار انسان جس کی سعی کے ثمرات سے فائدہ اٹھاتے چلے جا رہے ہوں۔

ہندوؤں پر اس عقیدہ کے اثرات

اس عقیدہ نے ہندوؤں پر بڑے برے اثرات ڈالے ہیں:

۱۔ اس عقیدہ نے ہندوؤں کو ہمیشہ کے لیے پست کر دیا اس پر ایک مایوسانہ افسردگی طاری ہو گئی۔

۲۔ اس عقیدہ سے تقدیر پرستی کا روگ بھی پیدا ہوا کیوں کہ انسان کی قسمت اس کے گذشتہ جنم

کے اعمال سے متعین ہو جاتی ہے جو اس کی اپنی کوشش سے نہیں بدل سکتی۔ یہ تصور انسان کے لیے کتنا ہولناک ہوگا کہ اس کو آدمیوں، جانوروں اور پودوں کی شکل میں ہر بار ایک نیا جنم لینا ہوگا اور وہ خواہ کتنے ہی نیک اعمال کرے لیکن اس دنیا کے بکھیڑوں اور مصیبتوں سے اس کی نجات کا کوئی امکان نہیں ہوگا یہاں تک کہ دیوتاؤں کو بھی اپنے نئے جنم میں زندگی کے پست تر مدارج سے گذرنا پڑے گا۔

آخری بات

ہندو دھرم کے اجزائے ترکیبی اور برہمنوں کی حیثیت سے ایسا لگتا ہے کہ یہ عقیدہ اس لیے ایجاد کیا گیا تاکہ یہاں کی اصل آبادی کو ابد الآباد تک کے لیے غلام اور تابع بنایا جا سکے کیوں کہ جب یہ عقیدہ ذہنوں میں راسخ ہو جائے گا کہ ہم پچھلے جنم کے برے اعمال کے نتیجے میں شودر ذات میں پیدا ہوئے ہیں تو انسان اس حالت پر راضی رہے گا اور اس سے نکلنے کی کوشش نہ کرے گا بلکہ اپنی تقدیر پر راضی ہو کر اپنے فرائض انجام دیتا رہے گا اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہند کے مفتوحین کے دلوں میں فاتح قوم یعنی آریوں کے تئیں نفرت کے وہ جذبات نہیں پائے جاتے جو پوری دنیا کے مفتوحین کے دلوں میں فاتحین کے تئیں پائے جاتے ہیں۔ ☆☆

غزل

آزاد طہیر عمری

کب مجاہد گھروں میں رہتے ہیں
وہ تو اگلی صفوں میں رہتے ہیں

ہم بڑے سخت جان ہیں صاحب!
ہم انہیں قاتلوں میں رہتے ہیں

ان سے ڈر جائیں تو کمال ہو کیا
ہم تو آندھیوں میں رہتے ہیں

خواب محلوں کا دیکھتے ہیں کبھی
یہ جو اب جھگیوں میں رہتے ہیں

یہ ہمارے لیے ہے تاج محل
ہم انہیں کھنڈروں میں رہتے ہیں

پارساؤں کی یہ جگہ بھی نہیں
ہم سے ہیں بردوں میں رہتے ہیں!

راج گدی ہے راونوں کے لیے
رام سردے بنوں میں رہتے ہیں

جب خدا کارساز ہے آزاد
آپ کیوں الجھنوں میں رہتے ہیں

☆☆☆

اسرار شریعت

سور کی حرمت کے اسباب

ادارہ

سور کا گوشت اسلام میں حرام ہے اور ہر سلیم الطبع شخص کو اس سے نفرت ہوتی ہے۔ کیوں کہ سور کی مرغوب غذا نجاست اور کوڑا کرکٹ ہے۔ طب جدید کی رو سے اس کے اندر بہت سے نقصانات ہیں مثلاً یورک ایسڈ جو ایک زہریلا مادہ ہے وہ ہر جاندار کے خون میں موجود رہتا ہے وہ اور جانداروں کے جسم سے تو خارج ہو جاتا ہے مگر سور کے اندر سے خارج نہیں ہوتا۔ گردے جو ہر انسانی جسم میں ہوتے ہیں وہ اس زہریلے مادہ کو پیشاب کے ذریعہ خارج کرتے رہتے ہیں۔ انسانی جسم اس مادہ کو سو فیصدی خارج کر دیتے ہیں

محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ سور کا گوشت ہمیشہ کھاتے رہنے سے غیرت وحیا کم ہو جاتی ہے۔ جس کے بغیر ضبط نفس ممکن نہیں۔ نیز اس کے گوشت کے استعمال سے گردے کی بیماری بھی پیدا ہوتی ہے۔

مگر سور کے جسم کے عضلات کی ساخت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اس کے خون کا یورک ایسڈ صرف دو فیصدی ہی خارج ہو پاتا ہے اور بقیہ حصہ اس کے جسم کا جزء بنا رہتا ہے۔ چنانچہ سور خود بھی جوڑوں کے درد میں مبتلا رہتا ہے اور اس کا گوشت کھانے والے بھی وجع المفاصل جیسی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں نیز سائنسی تجربات نے ثابت کیا ہے کہ سور کا گوشت کھانے سے خاص قسم کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو بڑے مہلک ہوتے ہیں۔

محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ سور کا گوشت ہمیشہ کھاتے رہنے سے غیرت وحیا کم ہو جاتی ہے۔ جس کے بغیر ضبط نفس ممکن نہیں۔ نیز اس کے گوشت کے استعمال سے گردے کی بیماری بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں یاقت علی شاہ لکھتے ہیں "میرے انگلینڈ کے تجربات میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اب یورپ کے ڈاکٹر سور کے گوشت کے استعمال سے سختی سے منع کر رہے ہیں کیوں کہ اس سے گردوں کے امراض (KIDNEY DISEASE) بہت زیادہ ہو رہے ہیں۔" ☆☆

وعظ و ارشاد

ایک لڑکے کی توبہ

محمد عبد العزیز

"مدرسہ اصلاح اولاد" ایسے لڑکوں کے لئے قائم کیا گیا ہے جو بعض اخلاقی اور غیر فطری جرم کرتے ہیں۔ اس مدرسہ کے ایک ٹیچر کہتے ہیں کہ سوشل ورکرز کے عملی میدان میں جو سب سے زیادہ عجیب اور حیران کن حالت ہمیں دیکھنے میں آئی وہ ایک ایسے لڑکے کی حالت ہے جو ہمارے اسکول میں موجود تھا۔ اس پر ایک اخلاقی جرم ثابت ہو گیا اور پھر اس پر فرد جرم عائد کر کے ہمارے اسکول میں بند کر دیا گیا تھا۔ اس اسکول میں جس لڑکے کا داخلہ ہوتا تھا وہ ایک خاص مدت تک کے لیے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس اصلاحی اسکول میں جب اس لڑکے کی قید کی مدت پوری ہو گئی تو میں نے اس کو بلا کر بتایا کہ تمہارے قید کی مدت پوری ہو گئی ہے اور تم کو آئندہ ہفتہ رہا کر دیا جائے گا، تم اپنے گھر والوں کو ملاقات کے لیے بلا لو تاکہ وہ تمہاری ضمانت دے سکیں...... یہ لڑکا بے تحاشہ زور زور سے رونے لگا... میں پہلے تو یہ سمجھا کہ یہ رہائی کی خوشی میں رو رہا ہے مگر اس کے مسلسل رونے اور چہرے پر رنج و غم کے آثار نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اسے اس کے ساتھیوں سے دور لے جا کر پوچھوں کہ اس رونے اور رنج و غم کا کیا راز ہے؟ اس نے اچانک کہا میں اس اسکول سے باہر نہیں جانا چاہتا.... میری التجا ہے کہ مجھے یہیں رکھا جائے "کیا کہہ رہے ہو" میں نے یہ جملہ ادا کرنے کو تو ادا کر دیا مگر میں سخت دہشت کے عالم میں تھا۔ اس نے کہا: میں اسی اسکول میں رہنا چاہتا ہوں اگرچہ اس میں میری آزادی کی تمام راہیں بند ہیں، اس کے باوجود یہ اسکول میرے باپ کے گھر سے زیادہ اچھا اور آرام دہ ہے۔

میں اس سے کہا کوئی شک نہیں کہ تم بہت زبردست غلطی کر رہے ہو...... دنیا میں ایسی کوئی جگہ نہیں جو خاندان اور ماں باپ کے گھر سے زیادہ اچھی ہو۔ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: میری کہانی سن لو اور خود فیصلہ کر لو۔ میں نے کہا جو کہتا ہے وہ کہو... تیرہ سالہ لڑکے نے اپنی کہانی شروع کرتے ہوئے کہا۔ آٹھ سال قبل میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ وہ مجھ سے دو سال چھوٹی بہن کو چھوڑ کر چل بسیں۔ ماں کی وفات کے چند ماہ بعد ہی میرے باپ نے مجھے بتایا کہ

وہ شادی کرنے والے ہیں اور ان کی نئی بیوی ہمارے لیے ماں کی جگہ پر ہوں گی اور وہ ہماری خالہ کہلائیں گی...... میں اپنی کم عمری کی وجہ اس بات کو سمجھ نہ سکا اور پھر ایک ہفتہ بعد ہی میرے باپ کی شادی ہو گئی اور ہماری نئی ماں آ گئیں۔ شروع میں میری خالہ نے اچھا رویہ رکھا اور پھر آہستہ آہستہ ان کا رویہ بدلتا گیا۔ جب بھی میرے باپ کام سے گھر آتے تو ہماری خالہ ہمیشہ ہماری شکایتیں ان سے کرنے لگتیں...... وہ ان سے کہتیں، تمہارے لڑکے نے آج یہ کیا اور تمہاری لڑکی نے آج یہ کیا..... میرے باپ اپنے کام سے جب لوٹتے تھے تو کافی تھکے ہوتے تھے۔ ان کے اندر اتنی طاقت اور ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ کسی کی شکایت سن سکیں اور اسے حل کرنے کی کوشش کریں، اس کے علاوہ میری اور میری چھوٹی بہن کی کم عمری اس بات کی اجازت ہمیں نہیں دیتی تھی کہ ہم اپنا دفاع کر سکیں یا سوتیلی ماں کی الزام تراشیوں کو غلط ثابت کر سکیں۔ شروع شروع میں ہمارے باپ ہم لوگوں کو نصیحتیں کرتے یا کبھی ڈانٹ دیتے مگر پھر معاملہ بڑھ گیا ہمارے خلاف مسلسل جھوٹے الزام اور کہانیوں کے بدلے ہمیں مارا بھی جانے لگا، گالیاں دی جاتیں اور اہانت آمیز رویہ اختیار کیا جاتا۔ اس سے زیادہ برا یہ ہوا کہ میرے باپ کے تین لڑکے نئی بیوی سے پیدا ہو گئے۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد میں اور میری چھوٹی بہن اپنے ہی گھر میں نوکر جیسے بن کر رہ گئے۔ ہم دونوں پر واجب ہو گیا کہ ہم خالہ اور ان کے لڑکوں کی تمام باتیں سنیں اور مانیں، وہ لوگ جو کہیں وہ ہم کریں، میرے ذمہ گھر کے لیے تمام چیزوں کو بازار سے لانا تھا اور میری چھوٹی بہن کے ذمہ گھر کی صفائی اور باورچی خانہ کا کام تھا۔ ہم اپنے سوتیلے بھائیوں کی طرف انتہائی رشک و حسد سے دیکھتے تھے جو اپنے والدین کی محبت اور نخروں سے مکمل طور پر بہرہ ور تھے۔ جن کی ہر خواہش کو پورا کیا جاتا تھا۔ میرے باپ یہ سمجھنے لگے کہ میں اور میری چھوٹی بہن ان کی اور ان کی خوشی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں اور یہ کہ ہم دونوں بھائی بہن گھر کی فضا کو خراب کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ میرے باپ ایسا کیوں نہ سمجھتے جب ان کی بیوی ہمارے خلاف روزانہ بلاناغہ من گھڑت اور جھوٹی کہانیاں انھیں سناتے نہ تھکتیں۔ میرے باپ کا ردعمل ہمیں مستقل گالیاں دینا ہو گیا... ساتھ ہی ساتھ ہمیں اولاد عاق کے لقب سے نوازا بھی گیا... وہ ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ وہ ہم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک ہم سے ان کی بیوی

راضی نہ ہو جائیں... اس کے علاوہ اور بہت سے برے القاب و صفات سے ہمیں پکارنے اور یاد کرنے لگے۔ انھیں برے صفات کے ساتھ گھر کے تمام لوگ ہمیں بلانے اور پکارنے لگے۔ قریب تھا ہم اپنے اصلی ناموں کو بھول جائیں۔ ہم ہر چیز سے محروم تھے۔ اگر کسی دعوت وغیرہ میں گھر والوں کو بلایا جاتا تو ہمیں روک دیا جاتا اور وہ لوگ کبھی اپنے ساتھ لے جانے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے۔ ہم دونوں بھائی بہن گھر میں تنہا بیٹھے رہتے اور بدقسمتی پر روتے رہتے۔

ایک واقعہ بھی نہ بھول سکوں گا، یہ واقعہ گذشتہ سردی میں رونما ہوا تھا۔ میں اپنے پیٹ میں سخت درد محسوس کرنے لگا، میری خالہ نے مجھے رات کے لیے روٹی لانے کا کہا، سردی بڑی سخت تھی اس لیے میں نے ان سے کہا میں بیمار ہوں اور اس وقت کہیں جانے کے لیے ہمت نہیں ہو رہی ہے، کیسے لاؤں؟ میری سوتیلی ماں نے میرے باپ سے کہا کہ تمہارا لڑکا بہانہ بنا پھرتا ہے تاکہ وہ اپنا کام انجام نہ دے اور آرام کرے۔ میرے باپ نے اتنا ہی سنا تھا کہ وہ قابو سے باہر ہو گئے اور مجھے خوب مارنے پیٹنے لگے۔ چانٹوں اور پیروں سے بھی کام لینے لگے اتنا مارا اتنا مارا کہ میں اپنی بیماری اور کمزوری کی وجہ سے زمین پر گر گیا اور میری حالت بگڑنے لگی۔ اس کے بعد وہ لوگ مجبور تھے کہ وہ مجھے اسپتال لے جائیں۔ میں پانچ روز اسپتال میں رہا۔ بہت چوٹیں آئی تھیں اور کافی درد محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود میں اس واقعہ سے اس لیے خوش تھا کہ شاید یہ واقعہ میرے باپ کے ضمیر کو جھنجھوڑ دے اور ان کے موقف میں کوئی خوشگوار تبدیلی آئے مگر افسوس ایسا نہ ہوا۔ وہ اسی طرح اپنے موقف پر قائم رہے جس طرح پہلے تھے۔ اس واقعہ کے بعد میں اپنے گھر سے بھاگنے کی ترکیبیں سوچنے لگا... کچھ لڑکوں نے جو مجھ سے بڑے تھے، میرے لیے کافی ہمدردی جتائی۔ میں اس ہمدردی کا بھوکا تھا۔ یہ ہمدردی کوئی سچی ہمدردی نہیں تھی بلکہ ایک جھوٹی اور خود غرض ہمدردی تھی۔ اسی جھوٹی ہمدردی کے ذریعہ وہ لوگ مجھے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے اور میں ان کے غلط راستہ پر چل پڑا۔ اس راستے کی برائیاں مجھے اس لیے نظر نہیں آئیں کہ میں کم عمر تھا اور عقل اور شعور سے نابلد تھا... پھر ایک اخلاقی جرم میں مجھے گرفتار کر لیا گیا اور اس اسکول میں بند کر دیا گیا۔

اس اسکول میں رہتے ہوئے مجھے اپنے گناہوں کا اندازہ ہوا...... خدا کا شکر ہے کہ

میں نے توبہ کر لیا ہے... اب آپ بتائیں کہ میں اپنے رونے اور رنج کرنے پر آپ کے اس "گھر" میں رہنے کے اصرار پر حق بجانب ہوں یا نہیں؟ وہ خاموش ہو گیا لیکن میرے ضمیر پر ایک بہت بڑا بوجھ ڈال کر۔ وہ بوجھ جو ایک آدمی اٹھا نہیں سکتا تھا پھر یہ لڑکا تو ابھی بچہ بھی نہیں ہوا تھا کیسے اٹھا سکتا تھا؟ میں حیران تھا کہ اس کے سوال کا کیا جواب دوں؟ کس نے اس بچے پر ظلم کیا؟ اس کی مصیبتوں کا کون ذمہ دار ہے؟ کیا یہ سوتیلی ماں ہے جس نے اپنے سوتیلے بچوں کے لئے خدا کا کوئی خیال نہیں کیا؟ یا وہ باپ ہے جس کو اس کی نئی بیوی نے باپ کی شفقت سے دور پھینک کر اور انصاف کے تمام راہوں سے ہٹا کر ایک گڈا یا گڑی بنا دیا تھا اور پھر اسی گڈے یا گڑی کو اپنی بھوت کے کمزور دھاگوں سے چلایا یا گھمایا کرتی تھی؟

سوچتے سوچتے میرا دماغ بہت دور پہونچ گیا۔ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش دنیا میں کہیں کوئی ایسا بازار بھی ہوتا جس میں بچے اچھے باپوں کو خرید سکتے۔ اگر کوئی ایسا بازار ہوتا تو یہ لڑکا ایک اچھے باپ کی ہر قیمت لگا کر اسے خرید لیتا لیکن..... اس بازار میں ایسے آدمی کی کیا قیمت ہوتی جو اس لڑکے کے اصلی باپ کی طرح ہوتا؟؟

☆☆☆☆

خوش خبری

ان شاء اللہ فروری ۲۰۰۱ء کا شمارہ

حدیث اور مستشرقین نمبر ہوگا

خواہش مند اور ایجنٹ حضرات اپنی مطلوبہ کاپیوں سے فوراً مطلع فرمائیں۔

☆☆☆

فقہ و فتاویٰ

ادارۂ قلم فلاحی

سوال: کیا مشرکین کی عیادت کرنا از روئے شریعت جائز ہے؟

جواب: مشرکین کی عیادت کرنا اور ان کے مسلہ میں ہدایت کی دعا کرنا جائز و درست ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ایک یہودی خادم تھا ایک بار وہ بیمار پڑا تو آپ ﷺ نے اس کے گھر جا کر اس کی عیادت کی (تجب المرضیٰ : ۷/۲) ایسے ہی آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کی مرض الموت میں عیادت کی اور ان کی خدمت میں اسلام پیش کیا۔ (بخاری شریف کتاب المرضیٰ : ۷/۲) نیز عیادت ایک طرح کی نیکی ہے جسے بجا لانے سے شریعت کے عام مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے اسی لیے تمام ہی فقہاء اس کے جواز پر متفق ہیں چنانچہ امام احمد ابن حنبلؒ سے مشرکین کے مریضوں کی عیادت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؒ نے جواز کا فتویٰ دیا۔ اور استدلال میں مذکورہ بالا حدیثیں پیش کیں۔

سوال: کیا دیار کفر میں کافروں سے سود لینا جائز ہے؟

جواب: دار الکفر یا دار الاسلام ہر جگہ سود جمہور فقہاء (امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اوزاعیؒ اور ابو یوسفؒ) کے نزدیک حرام ہے اس لیے کہ سود کی حرمت کے دلائل عام ہیں جنھیں دار الاسلام کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ لکھتے ہیں: "دار الاسلام میں جو چیز حرام ہوگی وہ دار الکفر میں بھی حرام رہے گی۔ (الام : ۷/ ۵۵۳) امام شوکانیؒ فرماتے ہیں "شرعی احکام کی تعمیل ہر مسلمان پر واجب ہوگی خواہ وہ دار الاسلام میں رہتا ہو یا دار الکفر میں۔ کیوں کہ دار الحرب شرعی احکام کا ناسخ نہیں ہو سکتا۔" (السیل الجرار : ۴/ ۵۵۲) ☆☆

نعت

نعت بالاتفاق "رحمۃ للعالمین"

مولانا شوکت علی شوکت اصلاحی

سوتوں کو جگانے آئے تھے، بچھڑوں کو ملانے آئے تھے
انسان کو جہاں میں جینے کا اسلوب سکھانے آئے تھے

روح جہاں سے باطل کا ہر نقش مٹانے آئے تھے
وہ ان کے مسیحا دنیا کے، مردوں کو جِلانے آئے تھے

تاریک جہاں میں ایمان کی وہ شمع جلانے آئے تھے
بندوں کو خدائے واحد کا پیغام سنانے آئے تھے

خاروں کو نزاکت اس نے دی پھولوں کو نوازا نکہت سے
اس جان بہاراں کے صدقے گلشن کو سجانے آئے تھے

جو رنگ و نسب کے جھگڑے تھے انسان کا انساں دشمن تھا
اس دشمن جاں انسانوں کو باہم وہ ملانے آئے تھے

جو دنیا اب تک قائل تھی سرمست مئے توحید ہوئی
ہاں تشنہ لبانِ عالم کو وہ جام پلانے آئے تھے

مردوں کی نگاہیں نیچی کیں عورت کو حیا کی چادر دی
ذلت میں گرے انسانوں کو اوپر وہ اٹھانے آئے تھے

جو روز ازل سے عالم میں اک جنگ ہے نور و ظلمت کی
اس عرصۂ ہستی میں حق کو باطل سے لڑانے آئے تھے

جو کچھ ہے پاس انسانوں کے وہ کل کا کل اللہ کا ہے
قیصر کا نہیں کچھ اے لوگو! دنیا کو بتانے آئے تھے

شاعر تو نہیں تھے وہ لیکن پر سحر لب اعجاز میں تھا
دنیا کے ادیب و شاعر کے وہ سر کو جھکانے آئے تھے

وہ زخم جگر کے مرہم تھے وہ درد نہاں کے درماں تھے
شوکت وہ آتش دوزخ سے ہم سب کو بچانے آئے تھے

☆☆☆☆☆

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

ٹی یو ایم ایس کے لیے سات فلاحی منتخب

یہ خبر دیتے ہوئے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ امسال طبیہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ہمدرد کے مقابلہ جاتی امتحانات میں سات فلاحیوں نے کامیابی حاصل کی ہے۔ صدیق علی (بستی) رفیع اللہ (سدھارتھ نگر) وسیم احمد (سدھارتھ نگر) محمد مجسم (بلرامپور) انس اظہار (بلرامپور) احسان انور فلاحی (بلرامپور) شمیم اختر فلاحی) صاحب۔

جامعۃ الامام میں تین فلاحیوں کی پہلی پوزیشن

جامعہ کے فارغین نے ملک و بیرون ملک کی مختلف جامعات میں مسلسل نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ اور متعدد فارغین نے گولڈ میڈل حاصل کیے ہیں۔ امسال بھی جامعۃ الامام ریاض میں زیر تعلیم درج ذیل فلاحیوں نے اپنے اپنے شعبوں میں پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔

محترم جاوید سلطان صاحب فلاحی، محترم ابو زید صاحب فلاحی اور محترم رضوان احمد فلاحی (بستی)

اللہ رب العزت انھیں ترقیوں کے بام عروج تک پہنچائے۔ آمین یا رب العالمین۔

ڈاکٹر صباح الدین علاؤ الدین دبئی میں لکچرار

یہ اطلاع فلاحی برادری کے لیے بڑی ہی مسرت افزا ہے کہ ڈاکٹر صباح الدین علاؤالدین فلاحی دبئی کی ایک پرائیویٹ یونیورسٹی میں شعبہ اقتصاد میں لکچرار ہو گئے ہیں۔ موصوف نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ہے۔ آپ انٹرنیٹ کے ذریعہ تدریس کے فریضہ کو انجام دیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی ذمہ داریاں حسن و خوبی ادا کرنے کی توفیق بخشے۔

تعزیتی نشست

ڈاکٹر منور حسین فلاحی کے حادثہ غم پر ۲۳/ستمبر کو جامعۃ الفلاح میں ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی۔ صدر جامعہ جناب مولانا طاہر مدنی نے اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے موصوف کو خراج عقیدت پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: موصوف جامعہ کے ان نمایاں فارغین میں سے ایک تھے جو اپنی علمی اور عملی صلاحیت کے لحاظ سے کافی ممتاز ہیں۔ دوران تعلیم

ہی سے آپ کے اندر کافی سنجیدگی، متانت، تعلیم میں یکسوئی اور [illegible] کا ادب و احترام کا وافر جذبہ پایا جاتا تھا۔ اور انھیں چیزوں نے آپ کو بام عروج [illegible] جامعہ سے فراغت کے بعد آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی [illegible] لکچرار ہو گئے۔ ایس آئی او سے شروع ہی سے وابستہ تھے۔ اس کی مشاورتی کونسل [illegible] رفیق کے ایڈیٹر رہے۔ تحقیقات اسلامی میں مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب [illegible] معاونت کرتے رہے۔ تجزیہ و تنقید میں موصوف کو کامل دسترس حاصل تھی۔ "اردو [illegible] اور "تحقیقات" میں کیے ہوئے کتابوں پر آپ کے تبصرے اس کی بین دلیل ہیں۔ [illegible] اللہ مدنی صاحب نے موصوف کے اخلاق و کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ کسی [illegible] آپ کی ذات سے بھی تکلیف نہ پہنچی۔ مولانا جمیل احمد صاحب فلاحی نے آپ کے عہد [illegible] پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا: آپ بڑے محنتی اور ذہین طالب علم تھے۔ آپ کی محنت [illegible] عالم تھا کہ جب کسی مضمون میں کمزوری کا احساس کرتے تو جب تک اس کو مضبوط بنا کر اتنی [illegible] نہ حاصل کر لیتے چین سے نہ بیٹھتے۔ شروع میں آپ کی انگریزی اس حد تک کمزور تھی [illegible] ایک بار پرچہ دیکھ کر رونے لگے۔ جب گھر پہنچے تو اپنے گاؤں سے چند میل کے فاصلے پر ایک [illegible] صاحب کے یہاں پیدل چل کر پوری چھٹی میں استفادہ کیا اور اس قدر جد و جہد کی کہ دوسرے سال درجہ کے اچھے طالب علموں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔

صدر انجمن جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے اپنے [illegible] دکھ درد کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ انجمن طلبہ قدیم کے آپ ایک اہم ستون تھے۔ آپ کو انجمن سے بے حد پیار تھا اور انجمن سے آپ کی یہ محبت اس لیے تھی کہ یہ جامعہ جس مقصد کے لیے وجود میں آیا اس میں عمومیت پیدا ہو۔ آپ نے انجمن کی شوریٰ کی ممبری کے دوران اعتدال و توازن کی راہ اختیار فرمائی۔ ہر موقع سے نپی تلی رائے پیش کی۔ جب بھی اس جامعہ پر کوئی مصیبت آئی، کسی بھی مسئلہ سے یہ دوچار ہوا انھوں نے بہ اور است اس میں دلچسپی لی۔ اور جو کچھ کر سکتے تھے کیا۔ ادھر آکر جب انجمن کے حالات دگرگوں ہوئے تو آپ کو کافی تکلیف پہنچی۔ آپ نے اپنے گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ اور حتی المقدور پیدا شدہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

آخر میں یہ تعزیتی نشست درج ذیل قرارداد پر اختتام پذیر ہوئی۔

ڈاکٹر منور حسین فلاحی کی وفات ہم سب کے لیے ایک المناک حادثہ ہے۔ موصوف

جامعۃ الفلاح کے مثالی فضلاء میں سے ایک تھے۔ اپنی شرافت، سادگی، اعتدال و توازن، اور حسن سنجیدگی کی وجہ سے وہ انتہائی ہر دلعزیز تھے۔ جامعہ سے فضیلت کے علاوہ علی گڑھ سے بی اے، ایم اے، اور ڈاکٹریٹ امتیازی نمبرات سے کیا۔ اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں استاذ ہو گئے۔ تحریک اسلامی کے اہم کارکن تھے۔ ان کی قلمی صلاحیت سے بھی تحریک کو بڑا فائدہ پہنچ رہا تھا۔ ان کی وفات ملت کے لیے ایک سانحہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

اظہار تعزیت

یہ خبر متعلقین جامعہ کے لیے بڑی ہی افسوسناک ہوگی کہ شعبہ امتحانات کے سابق محرر جناب اسلم خاں صاحب گڑھے کی ڈیہہ ما پر ۱۲ر اکتوبر، جمعہ کی شب میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادارہ حیات نو موصوف کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

خطوط و رسائل

محترمی و مکرمی!

سلام و رحمت۔

آپ نے اس نمبر پر واقعی محنت کی ہے اور بڑی حد تک اس کا حق ادا کر دیا ہے مزید اس میں گنجائش ہے۔ وہ تحریک اسلامی میں مولانا مودودی کے حقیقی جانشین تھے میں تو ان کو مودودی ثانی کہتا ہوں۔ آخر وقت میں وہ تحریک اسلامی سے کچھ غیر مطمئن سے تھے مگر ناامید نہیں تھے بلکہ ناامید رہنے والوں کو امید دلاتے تھے کہ اس وقت جو فکری آسمان پر بادل منڈلا رہے ہیں اگر خلوص سے کام کیا تو یقیناً چھٹ ہو کر رہیں گے۔ وہ ہر وقت اس کی تلقین کرتے تھے کہ جماعت سے وابستگی بہر حال رہنی چاہیے اور اس کی اصلاح اندر رہ کر کرنی چاہیے تحریک کی بنیاد جن اصولوں پر ہے توقع ہے کہ ایک دن شعور جاگے گا اور غلطی کا احساس

ضرور ہو جائے گا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا جیسا مفکر، نثر نگار اور تحریک اسلامی کا حقیقی ترجمان آنے والی نسلوں میں پیدا کرے تاکہ قافلہ حق اپنی صحیح سمت رواں ہو۔

ابوالکرم عرفان

☆☆☆

مدیر محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حیات نو کا "مولانا صدر الدین اصلاحی" نمبر نظر نواز ہوا یقیناً آپ حضرات نے بے حد پر خلوص محنت کی ہے۔ اور یہ شمارہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت کا حامل ہو گیا ہے دو ایک مضامین کو چھوڑ کر جن میں اکتاہٹ نمایاں ہے سبھی مقالات نہایت وقیع ہیں۔ خاص طور سے مولانا سلطان احمد اصلاحی کا گراں قدر مقالہ اپنے معروضی اسلوب اور تجزیاتی انداز کے باعث بہت پسند آیا۔ ادارہ تحریر کو پر خلوص مبارکباد اللھم زد فزد کی دعا کے ساتھ۔

مولانا نور محمد فلاحیؒ کی وفات کی خبر پڑھی۔ بے حد صدمہ ہوا۔ كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام۔

اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

مولانا موصوف سے اگرچہ میری مختصر ملاقاتیں انتظامیہ کی نشستوں کے مواقع پر ہی ہوتی تھیں مگر "بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر" کے مصداق ہوتی تھیں۔ ان کی شخصیت میں خلوص، محبت، اور احترام کی ایک لطیف آمیزش ہوتی تھی جو اب جامعہ میں کمیاب ہوتی جا رہی ہے۔ البتہ ان سے میری نصف ملاقات ہر ماہ حیات نو کے ذریعہ ہو جاتی تھی۔ میرا یہ ذہنی خلا (اور میرے جیسے بہتوں کا بھی) اب کیسے پر ہوگا؟

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

مولانا جامعہ کے ان گنے چنے اساتذہ میں تھے جنھیں مثالی استاد کہا جا سکتا ہے، مسلسل مطالعہ، اظہار خیال پر قدرت، طلبہ سے شفقت و محبت، ان کے مسائل سے مثبت دلچسپی، اپنے سے دوں

کا ادب واحترام، تنازعوں سے مناسب دوری، خیانت سے اجتناب، خود ستائی، کبر و انا پرستی سے گریز، ہمہ تن تشکر اور مجسم انکسار۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

مولانا کا زندہ کارنامہ حیات نو ہے جب تک وہ زندہ ہے مولانا بھی زندہ رہیں گے۔ ذی علم مخلص کی ایک پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ہر طرح کے ذاتی اور گروہی تعصبات سے بالاتر ہوتا ہے مولانا انور محمد اس معنی میں بھی ذی علم تھے۔

جامعۃ الفلاح عرصہ تک اپنے اس مایہ ناز فرزند معنوی پر ماتم کناں رہے گا۔

والسلام

ڈاکٹر ابرار اعظمی

(رکن انتظامیہ جامعۃ الفلاح)

☆☆☆

محترمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولوی اسعد فلاحی مرحوم ہم سب کے لیے عزیز غالی اور محبّ تھے ہمارے مخلص اور قابل اعتماد ساتھیوں میں سے تھے اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں کروٹ کروٹ جگہ عطا فرمائے اور ساتھ ہی اہل خاندان کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اچانک بیمار ہونے کی خبر موصول ہوئی معاً بعد وقت کے سانحہ کی افسوسناک خبر کانوں سے ٹکرائی اور احساس جاگ اٹھا کہ واقعی سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے چلے جانا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں بندے کی یہی ابتدا اور انتہا ہے۔ رضائے الٰہی کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ یہی تقاضا ہے اور مطلوب ہے اللہ تعالیٰ سے محبت کا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی اور ناصر ہے۔ دنیا کی مسرتیں خواب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہاں انسان ہنستا تھوڑا اور روتا زیادہ ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی کبد۔ من صبر ظفر۔ والسلام

نسیم احمد فلاحی

☆☆☆